1946ء	میثاقِ لکھنؤ	
1942ء	علی گڑھ کالج کا قیام	

6. ''نظریہ'' سے کیا مراد ہے؟ نظریہ قوموں کی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟
7. دو قومی نظریہ کا ارتقا کیسے ہوا اور جنوبی ایشیا پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
8. قیام پاکستان کے سلسلے میں تحریک علی گڑھ نے کیا کردار ادا کیا؟
9. تحریک خلافت کا تفصیلی جائزہ لے کر بتائیں کہ مسلمانان ہند پر اس کا کیا اثر ہوا؟
10. کرپس مشن اور کابینہ مشن کی تجاویز کا تقابلی جائزہ لیں۔ آپ کے خیال میں سے کون سی تجاویز مسلمانان ہند کے لیے بہتر تھیں؟

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ابتدائی مسائل

14 اگست 1947ء کو قیامِ پاکستان، قائداعظم محمد علی جناحؒ کی انتھک کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا بیسویں صدی کا ایک عظیم کارنامہ تھا کیونکہ مسلمانوں کی یہ نئی ریاست دنیا کے نقشے پر مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت تھی۔ برِصغیر ہندوپاک کے مسلمانوں کی مسلسل کوششوں اور ان گنت قربانیوں کا یہ ثمر تھا کہ کروڑوں مسلمانوں کو ایک آزاد ملک میں سانس لینے کا موقع فراہم ہوا۔ تاہم پاکستان کا قیام یہاں کے باشندوں کے لیے ایک نئے امتحان کا آغاز بھی تھا۔ کیونکہ متحدہ ہندوستان کی غیر مسلم آبادی بالعموم اور آل انڈیا نیشنل کانگریس بالخصوص قیامِ پاکستان کی سخت مخالف تھی۔ بلکہ قیامِ پاکستان کی مخالفت انگریز حکمران بھی آخری وقت تک کرتے رہے۔

جب پاکستان کا قیام حقیقت بن کر سامنے آنے لگا تو کانگریسی راہنماؤں اور متعصب ہندوؤں نے پہلے سے پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال بُننا شروع کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کانگریسی رہنما صرف اور صرف خانہ جنگی کے خوف سے پاکستان بننے پر راضی ہوئے۔ تاہم وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو اتنے مسائل میں اُلجھا دیا جائے کہ وہ گبھرا کر ایک بار پھر ہندوستان میں مدغم ہونے پر مجبور ہو جائیں۔ ان ہی ارادوں کے تحت انھوں نے مسلمانوں کی اس نوزائیدہ مملکت کے لیے مسائل کا انبار کھڑا کر دیا۔ کچھ مسائل پاکستان کو ورثے میں ملے لیکن ہندوستان نے ان مسائل کو مزید گھمبیر بنا دیا۔ پاکستان کو ابتدائی دنوں میں جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہ درج ذیل ہیں۔

ریڈکلف ایوارڈ (Rad Cliffe Award)

قانون آزادیِ ہند 1947ء (The Indian Independence Act, 1947) کے مطابق پنجاب اور بنگال کی تقسیم اور حد بندی کے لیے دو حد بندی کمیشنوں (Boundary Commission) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دونوں حد بندی کمیشنوں میں پاکستان اور ہندوستان کے دو دو نمائندے شامل

تھے اور سر سائیرل ریڈکلف (Sir Cyril Rad Cliffe) دونوں کمیشنوں کے سربراہ مقرر ہوئے۔ پنجاب حد بندی کمیشن میں پاکستان کی نمائندگی جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر نے کی جبکہ اسی کمیشن میں ہندوستان کی نمائندگی جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ نے کی اور بنگال حد بندی کمیشن میں پاکستان کی نمائندگی ابو صالح محمد اکرم اور ایس۔اے۔رحمٰن نے کی ۔ جبکہ اسی کمیشن میں ہندوستان کی نمائندگی سی۔سی۔بسواس اور بی۔کے۔مکرجی نے کی۔

ریڈکلف بحیثیت سربراہ حد بندی کمیشن یہ اختیار رکھتا تھا کہ ممبران کے درمیان اختلاف کی صورت میں آخری فیصلہ وہ خود کرے۔ سرحدوں کا تعین کرتے وقت جب ممبران کے درمیان اتفاق رائے نہ ہو سکا تو ریڈکلف نے اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا۔

سرحدی کمیشن کے وہ فیصلے جو پاکستان کے مفادات کے خلاف کیے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

ضلع گورداسپور مسلم اکثریت والا علاقہ تھا لیکن اس کو ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ پٹھان کوٹ جو کہ ضلع گورداسپور کی واحد ہندو اکثریت والی تحصیل تھی جغرافیائی لحاظ سے بہت اہم تھی۔ مشرقی پنجاب میں اس کی شمولیت سے ہندوستان کو کشمیر تک پہنچنے کا راستہ مل گیا۔ اگر پورے ضلع کی آبادی کا سادہ اصول سامنے رکھا جاتا تو اس لحاظ سے گورداسپور بمع تحصیل پٹھان کوٹ مغربی پنجاب کا حصہ بن جاتا۔ لیکن پٹھان کوٹ کی ہندو اکثریت والی آبادی کا بہانہ بنا کر یہ تحصیل ہندوستان کے حوالے کر دی گئی اور اس طرح یہ علاقہ ہندوستان کو دے کر امرتسر بھی ان کے حوالے کر دیا گیا۔

ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ کی آبادی 70 فی صد مسلمانوں پر مشتمل تھی اور پاکستان کے ساتھ جغرافیائی لحاظ سے بھی ملی ہوئی تھی اور ضلع کی عیسائی آبادی اور مخصوص طبقے (Scheduled Castes) بھی پاکستان میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن انگریزوں اور ہندوؤں کے گٹھ جوڑ نے پاکستان کو ان علاقوں سے محروم کر دیا۔ فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں بھی متنازعہ تھیں۔ جسٹس منیر ان تمام متنازعہ علاقوں پر بحث چاہتے تھے لیکن ریڈکلف نے ان سے کہا کہ فیروز پور اور زیرہ پر بحث لاحاصل ہے کیونکہ ان تحصیلوں کا فیصلہ پہلے ہی پاکستان کے حق میں ہو چکا ہے تاہم یہی تحصیلیں بعد میں ہندوستان کے حوالے کر دی گئیں۔

ان حقائق کا اظہار پنجاب حد بندی کمیشن کے مسلمان ارکان نے بعد میں مختلف اوقات میں کیا۔ 24 اپریل 1958ء کو مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے جسٹس دین محمد نے کہا

کہ سر سائیرل ریڈکلف نے فیروز پور، فیروز پور ہیڈ ورکس اور کچھ دوسرے علاقے پاکستان کے حوالے کر دیے تھے لیکن بعد میں حد بندی ایوارڈ تبدیل کر دیا گیا۔ اس بات کی تصدیق حد بندی کمیشن کے دوسرے مسلمان رکن جسٹس محمد منیر نے بھی کی۔ 22 اپریل 1960ء کو ایک تقریر کے دوران انھوں نے کہا کہ ''ریڈکلف نے بہت واضح الفاظ میں مجھے بتایا کہ فیروز پور، زیرہ اور فاضلکہ کی تین تحصیلیں پاکستان کے حصے میں آ رہی ہیں۔ اس لیے یہ غیر ضروری ہے کہ یہ معاملہ اس کے ساتھ زیرِ بحث لایا جائے۔''

یہاں پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ریڈکلف نے ایوارڈ کا مسودہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو 9 اگست کو حوالے کر دیا تھا جبکہ ماؤنٹ بیٹن نے اس کا اعلان 17 اگست کو کیا۔ ریڈکلف کے غیر تبدیل شدہ ایوارڈ میں فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں مغربی پنجاب (پاکستان) میں شامل تھیں۔ لیکن تبدیل شدہ ایوارڈ میں یہ علاقے مشرقی پنجاب (بھارت) کو دیے گئے۔ شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تبدیلی 9 اگست اور 17 اگست کے درمیان کی گئی۔

بنگال میں اہم اور متنازعہ علاقہ کلکتہ کا تھا۔ یہ نہ صرف صوبہ بنگال کا دارالخلافہ تھا، بلکہ یہ ایک صنعتی، تجارتی اور تعلیمی مرکز کے علاوہ ایک اہم بندرگاہ بھی تھی۔ ایک طرف کلکتہ شہر میں مسلمان کل آبادی کا ایک چوتھائی حصہ تھے اور شہر کے نواحی علاقے جو کہ کلکتہ کی شہری زندگی اور بندرگاہ کا اہم حصہ تھے، وہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ دوسری طرف کلکتہ شہر کا بڑا حصہ مخصوص طبقوں (Scheduled Castes) پر مشتمل تھا۔ جن کا مسلم لیگ کے ساتھ صوبائی اور ہندوستان کے سیاسی محاذوں پر اتحاد تھا۔ لیکن اس کے باوجود نہ صرف کلکتہ کو ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا، بلکہ مسلم اکثریتی ضلع جات مرشد آباد اور نادیہ کو بھی ہندوستان کو سونپ دیا گیا۔ اور یوں تقریباً 15500 مربع کلومیٹر کا علاقہ جو کہ 3.5 ملین مسلمان آبادی پر مشتمل تھا اور جو عارضی طور پر مشرقی بنگال کے انتظام کا حصہ تھا، کو مشرقی بنگال سے علیحدہ کر کے مغربی بنگال کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اس طرح دونوں حد بندی کمیشنوں کے غیر منصفانہ فیصلوں کی وجہ سے پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کا اظہار 30 اکتوبر 1947ء کو قائداعظم نے یوں کیا:-

''ہم ایک بہت گہری اور سوچی سمجھی سازش کا شکار ہوئے، جس نے دیانت، بہادری اور عزت کے تمام اصول بالائے طاق رکھ دیے۔''

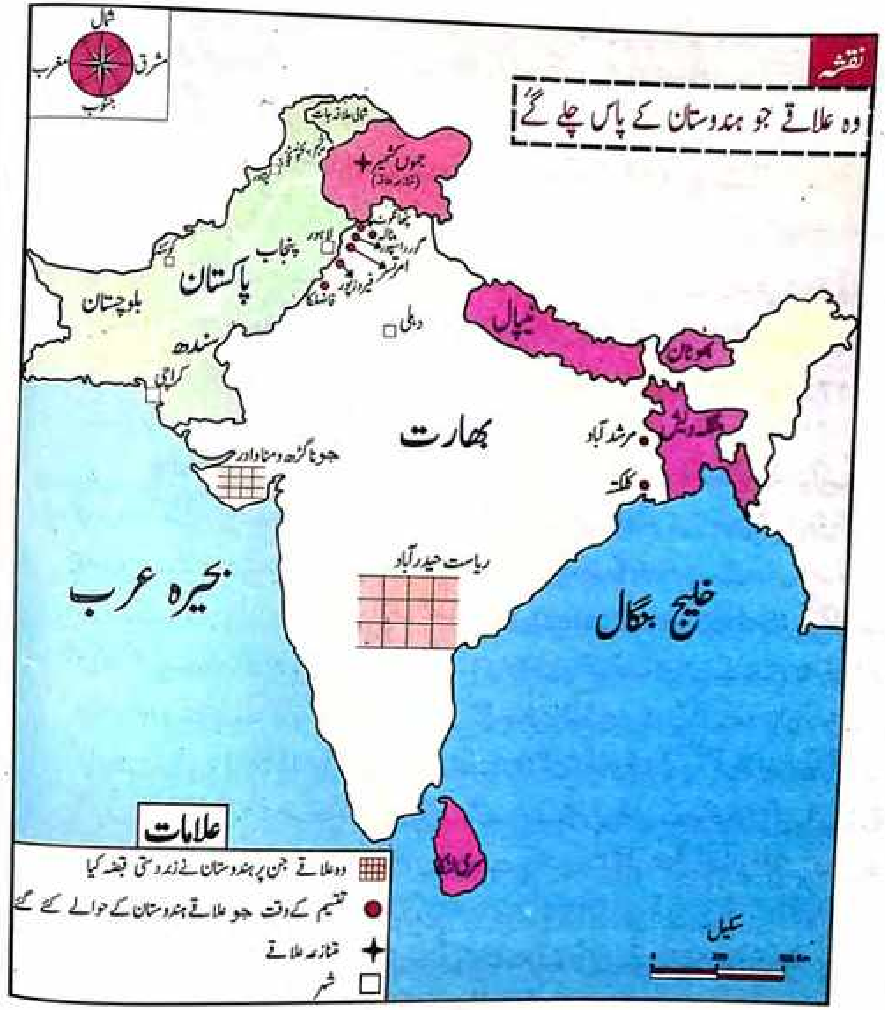

انتظامی امور کا مسئلہ

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی ہندوستان آمد اور 3 جون منصوبے کے اعلان کے درمیان تقریباً اڑہائی ماہ کا عرصہ گزرا۔ ان چند مہینوں میں پاکستان کے بنانے اور ہندوستان کے تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق یہ جلد بازی انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ ایسے حالات میں پاکستان کا قیام غیر پائیدار ثابت ہوگا اور یوں جلد ہی پاکستان گوناگوں مسائل تلے دب کر ختم ہو جائے گا۔ جب تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان ہوا تو جو علاقے پاکستان کے حصے میں آئے، وہ کم ترقی یافتہ اور پسماندہ تھے اور تو اور اس نوزائیدہ مملکتِ پاکستان کے پاس ملک چلانے کے لیے ایک موزوں دارالخلافہ تک موجود نہیں تھا۔

انتظامی امور کے چلانے کے لیے صرف کراچی کا شہر تھا جو کہ ایک صوبے کے انتظامی امور چلانے کا بوجھ برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن کسی بھی لحاظ سے ایک ملک کے دارالخلافے کے لیے موزوں نہیں تھا۔ پاکستان بننے کے بعد شہر کراچی میں سرکاری ملازمین کے لیے دفاتر موجود نہیں تھے (روزمرہ دفتری ضروریات کی اشیاء کی بھی بے انتہا قلت تھی)۔ انتظامی امور چلانے کے لیے سرکاری ملازمین بھی ناپید تھے۔ خاص طور پر اہم انتظامی عہدوں پر تو ملازمین کی شدید قلت تھی۔ اصل میں متحدہ ہندوستان میں تمام اہم انتظامی عہدوں پر غیر مسلم/ہندو تعینات تھے۔ جو قیامِ پاکستان کے بعد ہندوستان چلے گئے۔ اس طرح اس نوزائیدہ مملکتِ پاکستان کو سرکاری و غیر سرکاری ملازمین کی قلت کا شدید سامنا کرنا پڑا۔

تاہم ان دشوار ترین مشکلات کے باوجود سرکاری ملازمین نے ہمت نہیں ہاری اور قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں تمام مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بتدریج ان مشکلات پر قابو پا لیا۔

مہاجرین کا مسئلہ

تقسیمِ ہندوستان کے منصوبے کے خدوخال واضح ہونے کے ساتھ ہندوستان کے مسلمان اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قتلِ عام شروع کر دیا گیا۔ ان حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس پاکستان کی طرف ہجرت کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین پاکستان کی طرف آنا شروع ہوئے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو صرف تن پر

لباس لیے پاکستان پہنچے۔ان میں بے شمار افراد اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی قربانیاں دے کر آئے تھے۔ ان کو نہ صرف سر چھپانے اور روزگار کی ضرورت تھی بلکہ ان کو نفسیاتی دباؤ سے نکالنے کی بھی اشد ضرورت تھی۔ ان مہاجرین کی آبادکاری پاکستان جیسے ملک کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔تاہم پاکستان کے باسیوں نے بڑے حوصلے اور ہمت سے اس چیلنج کا سامنا کیا۔مہاجرین کی دیکھ بھال کی غرض سے قائداعظم بذاتِ خود لاہور تشریف لے گئے اور مہاجرین کا حوصلہ بلند کیا اور اُن کی آبادکاری کی نگرانی کی۔

اثاثوں کی تقسیم

تقسیم ہندوستان کے منصوبے کے تحت متحدہ ہندوستان کے اثاثوں کی تقسیم پاکستان اور بھارت کے درمیان طے پائی تھی۔باہمی بات چیت کے ذریعے نقد اثاثوں میں پاکستان کا حصہ 750 ملین روپے قرار پایا تھا۔قیامِ پاکستان کے بعد بھارت شروع میں رقم کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہا لیکن کچھ عرصے بعد 200 ملین روپے پاکستان کو ادا کردیے گئے۔یہ پاکستان کے قیام کے ابتدائی دن تھے اور پاکستان کو رقم کی سخت ضرورت تھی۔ان حالات میں مہاتما گاندھی نے بھارتی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ پاکستان کا جائز حق ادا کردے۔اگرچہ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل نے گاندھی کو ٹالنے کی کوشش کی تاہم وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور اس وقت تک مرن بھرت (تادمِ مرگ بھوک ہڑتال) ختم کرنے پر تیار نہ ہوئے جب تک بھارتی حکومت نے پاکستان کو اپنا حصہ ادا نہ کیا۔تاہم بھارت نے 50 ملین روپے پاکستان کے حصے سے یہ کہہ کر روک دیے کہ پاکستان کے ذمے کچھ بقایا جات رہتے ہیں جو کہ اس رقم سے منہا کیے جائیں گے۔

افواج اور فوجی سازوسامان کی تقسیم

3 جون 1947ء کے تقسیمِ ہند کے منصوبے کے مطابق متحدہ ہندوستان کی افواج اور فوجی سازوسامان کی تقسیم کا طریقہ کار بھی وضع کیا گیا تھا۔یہ فریضہ سرانجام دینے کے لیے فیلڈ مارشل آچنلک (Field Marshal Auchinleck) کو ذمہ داری سونپی گئی۔اس کام کے دو پہلو تھے۔(1) افواج کی افرادی قوت کی تقسیم اور (2) فوجی سازوسامان کی تقسیم۔برطانوی حکومت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہر دو ممالک کے الگ الگ کمانڈر ان چیف ہوں گے۔جبکہ سر آچنلک بحیثیت سپریم کمانڈر کے کام کریں گے تاکہ فوجی

اثاثہ جات کی تقسیم منصفانہ طریقے سے سرانجام پاسکے۔سر آچنلک نے بہت محنت اور باریک بینی سے کام کرتے ہوئے افواج کی تقسیم کا پہلا مرحلہ 15 اگست 1947ء تک مکمل کرلیا (یعنی فوجی جوانوں اور افسران کی تقسیم کا مرحلہ)۔تاہم ان افراد کو پاکستان پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔کام کی تیز رفتاری کو دیکھتے ہوئے کانگریسی رہنما سخت پریشان ہوئے کیونکہ ان کا تو یہ منصوبہ تھا کہ افواج کی تقسیم کم از کم دو سال کا عرصہ لے گی اور اس طرح پاکستان دو سال کے لیے بغیر افواج کے رہے گا۔آچنلک کے کام کو دیکھتے ہوئے کانگریسی راہنماؤں کو اپنا منصوبہ ناکام ہوتا ہوا دکھائی دیا۔لہٰذا انھوں نے شور مچانا شروع کیا کہ آچنلک جانبداری اور ہندوستان مخالف رویہ اپنا رہا ہے۔لہٰذا اس کو فوری طور پر ہٹایا جائے۔آچنلک کو بھی کانگریسی راہنماؤں اور حتیٰ کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پاکستان مخالفانہ رویوں کا علم تھا۔لہٰذا انھوں نے ایک خفیہ خط کے ذریعے برطانوی حکومت کو کانگریسی راہنماؤں اور ماؤنٹ بیٹن کے رویوں کی شکایت کی اور قائداعظم کو بھی خبردار کیا کہ اگر مشترکہ دفاعی کونسل (Joint Defence Council) کی تحلیل کی گئی تو پاکستان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے جائز فوجی سازوسامان سے محروم ہوجائے گا۔دوسری طرف ماؤنٹ بیٹن جو پاکستان سے ذاتی وجوہ کی بناء پر خوش نہ تھا۔برطانوی حکومت سے آچنلک کے ہیڈکوارٹرز کی بندش اور اسے انگلستان بلانے کے احکامات جاری کرانے میں کامیاب ہوگیا۔اس طرح پاکستان اپنے جائز فوجی سازوسامان سے محروم کردیا گیا۔جو بچا کھچا فوجی سامان پاکستان کو مہیا کیا گیا۔وہ زنگ آلود، ٹوٹا پھوٹا اور ناقابلِ استعمال تھا۔

نہری پانی کا مسئلہ

نہری پانی کا مسئلہ بھی ریڈکلف ایوارڈ کی وجہ سے پیدا ہوا۔اس ایوارڈ کے تحت پنجاب کے علاقوں کی غیر منصفانہ تقسیم کی گئی اور دریائے راوی پر مادھوپور اور دریائے ستلج پر فیروزپور کے ہیڈورکس بھارت کے حوالے کردیے گئے۔حالانکہ ان ہیڈورکس سے نکلنے والی نہریں پاکستانی علاقے میں واقع ہیں اور ایک بڑے علاقے کے سیراب کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔یکم اپریل 1948ء کو بغیر پیشگی اطلاع دیے بھارت نے پاکستان کی طرف آنے والا پانی بند کردیا اور مطالبہ کیا کہ پاکستان اس پانی کی قیمت ادا کردے۔پنجاب کی زرخیز زمینوں کے لیے یہ پانی آبِ حیات کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا پاکستان کا ایک وفد ہنگامی بنیادوں پر دہلی پہنچا اور عارضی طور پر بھارت کے ساتھ ان کی شرائط کے مطابق پانی کی ترسیل کے لیے معاہدہ کرلیا۔

چونکہ بھارت پنجاب کی سرسبز زمین کو بنجر صحرا میں تبدیل کر کے پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس مسئلے کے مستقل بنیادوں پر حل کے لیے پاکستان نے اقوام متحدہ میں درخواست دائر کردی۔ عالمی بینک برائے ترقی و تعمیر نو(International Bank for Reconstruction and Development) کے صدر نے اپنی خدمات مسئلے کے حل کے لیے پیش کردیں۔ جس کو دونوں ممالک نے 1952ء میں قبول کرلیا۔ مذاکرات کی رفتار کافی سست رہی اور بالآخر 19 ستمبر 1960ء کو دو معاہدوں پر بھارت کے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو اور پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے دستخط کردیے۔ یہ دو معاہدے سندھ طاس اور سندھ طاس ترقیاتی فنڈ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

ان منصوبوں کے مطابق تین مغربی دریا یعنی سندھ، جہلم اور چناب پاکستان کے استعمال کے لیے مخصوص کردیے گئے جبکہ تین مشرقی دریا راوی، بیاس اور ستلج بھارت کے لے مخصوص کردیے گئے۔

ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ

تقسیمِ ہند کے وقت ہندوستان میں تقریباً 562 چھوٹی بڑی ریاستیں تھیں۔ قانونِ آزادی ہند 1947ء کے مطابق ان کو اختیار دیا گیا کہ وہ پاکستان یا بھارت جس کے ساتھ چاہیں شامل ہو جائیں۔ تاہم الحاق کا فیصلہ کرتے وقت والیانِ ریاست کو مشورہ دیا گیا کہ وہ ریاست کی جغرافیائی حیثیت اور رعایا کی خواہشات ورجحانات کو مدنظر رکھیں۔ قیامِ پاکستان تک ماسوائے حیدرآباد، جوناگڑھ اور کشمیر کے تقریباً ساری ریاستیں خوش اسلوبی کے ساتھ بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرچکی تھیں۔ تاہم مذکورہ ریاستیں پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی کا باعث بن گئیں۔

حیدرآباد:

ریاستِ حیدرآباد ہندوستان کی اہم ترین ریاستوں میں سے تھی۔ ریاست کا والی (نظام) مسلمان تھا لیکن آبادی ہندو اکثریت پر مشتمل تھی۔ اپنے وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے نظام حیدرآباد چاہتا تھا کہ وہ آزاد حیثیت سے اپنی ریاست کو برقرار رکھے اور کسی کے ساتھ الحاق نہ کرے۔ جب 3 جون منصوبے کے تحت فیصلہ ہوا تو نظام حیدرآباد نے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے استدعا کی کہ ریاست کو ڈومینین حیثیت

(Dominion Status) دی جائے۔ مگر وہ نہ مانا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے جانے کے بعد حیدرآباد کے نظام پر بھارت میں شامل ہونے کا دباؤ بڑھ گیا۔ ریاست کی ناکہ بندی کردی گئی اور فوجی مہم جوئی کی تیاریاں شروع کی گئیں۔

24 اگست 1948ء کو ریاستِ حیدرآباد نے بھارت کے خلاف اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں شکایت درج کرادی لیکن اس سے پہلے کہ سیکیورٹی کونسل شکایت سننے کے لیے تاریخ مقرر کرتی، بھارت نے حیدرآباد میں فوج کشی کردی۔ حیدرآباد کی ریاستی افواج نے مختصر مقابلے کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور یوں ریاستِ حیدرآباد کو بزورِ شمشیر بھارت میں شامل کردیا گیا۔

جوناگڑھ

جوناگڑھ کراچی کے ساحل سے 480 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی ساحلی ریاست تھی۔ اگرچہ آبادی زیادہ تر ہندوؤں کی تھی لیکن ریاست کا سربراہ مسلمان تھا۔ ریاست کے والی نے 15 ستمبر 1947ء کو ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کردیا۔ کچھ ہفتوں کے بعد بھارت نے ریاست پر فوج کشی کر کے ریاست کا انتظام سنبھال لیا۔

جموں و کشمیر

ریاستِ جموں و کشمیر رقبے کے لحاظ سے بھارت کی تمام ریاستوں سے بڑی ریاست ہے۔ جس کا کل رقبہ 135900 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1941ء کی مردم شماری کے مطابق 4 ملین نفوس پر مشتمل تھی۔ جس میں سے 77 فی صد مسلمان تھے۔ قیامِ پاکستان کے وقت مہاراجہ ہری سنگھ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ریاست کی آزاد حیثیت برقرار رکھ سکے۔ تاہم ریاست کا مستقبل ابھی واضح نہیں تھا۔ اس لیے مہاراجہ کسی آخری فیصلے تک دونوں ممالک یعنی پاکستان اور بھارت کے ساتھ معاہدہ جاریہ (حالات کے جوں کے توں رکھنے کا معاہدہ Standstill Agreement) کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ پاکستان نے مہاراجہ کے ساتھ اس طرح کے معاہدے پر دستخط کردیے تھے لیکن بھارت اس کے لیے تیار نہ ہوا۔

جب قیامِ پاکستان اور آزادی ہند کی باتیں ریاست پہنچنا شروع ہوئیں تو ریاستی باشندوں بالخصوص

مسلمانوں میں ایک بے چینی کی کیفیت پھیل گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ ڈوگرہ مہاراجہ کے چنگل سے آزادی حاصل کرلیں۔ تاہم مہاراجہ اس کے لیے تیار نہ تھا۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کو دبانے کے لیے ریاستی اہلکاروں کے ذریعے تشدد کا راستہ اپنایا۔ کشمیری مسلمان، جو ہندو مہاراجہ کی نیت سے خوب واقف تھے، مہاراجہ کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور پہلی بار پونچھ کے مقام پر بغاوت کا آغاز کردیا۔ اس سے ریاست کے حالات مزید خراب ہوگئے۔ جب مہاراجہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو صوبہ خیبر پختونخوا کے بہادر قبائل اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد پر کمربستہ ہوگئے۔ قبائلی اور کشمیری مجاہدین کی مشترکہ جدوجہد کے سامنے مہاراجہ کی افواج بے بس ہوگئیں اور مہاراجہ سری نگر سے جموں بھاگ گیا اور بھارت سے فوجی مدد کی اپیل کردی۔

بھارت کی باقاعدہ افواج کے سامنے غیر تربیت یافتہ کشمیری مجاہدین اور قبائل کو لڑنا مشکل ہوگیا۔ بھارتی افواج نے کشمیر کے آزاد کیے ہوئے حصوں پر پیش قدمی شروع کردی۔ ان حالات میں آزاد کشمیر اور پاکستانی سرحدات کے تحفظ کے لیے افواجِ پاکستان کو بھارتی افواج کی پیش قدمی روکنے کے لیے 1948ء میں احکامات صادر کیے گئے اور یوں بھارت اور پاکستان کی افواج کا پہلی بار آمنا سامنا ہوا۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان یہ لڑائی یکم جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق روک دی گئی۔

بھارت جنوری 1948ء میں مسئلہ کشمیر کو اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں پیش کر چکا تھا۔ اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں دونوں ممالک کے نمائندوں نے اپنے اپنے مؤقف پیش کیے۔ جس کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے باشندے استصوابِ رائے کے ذریعے کریں گے۔ یہ فیصلہ دونوں ممالک بھارت اور پاکستان نے تسلیم کرلیا۔ لیکن بعد میں بھارت حیلے بہانے کرنے لگا اور یوں آج تک کشمیری استصوابِ رائے کے ذریعے سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے منتظر ہیں۔

قائداعظم کا تصورِ پاکستان

قیامِ پاکستان کے بعد اس نوزائیدہ مسلمان مملکت کے بارے میں ملک کے سیاسی، مذہبی اور دانشور طبقات میں مختلف تصورات پائے جاتے تھے۔ تاہم بانیِ پاکستان نے مختلف اوقات میں اپنا تصور بہت واضح الفاظ میں بیان کیا۔ سب سے اہم اور واضح الفاظ انھوں نے 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ادا کیے۔ انھوں نے فرمایا:۔

"اگر تم مل جل کر کام کرو اور ماضی کو بھلا دو اور پرانے جھگڑے دفن کردو، تو کامیابی تمھارا مقدر ہوگی۔ اگر تم اپنے ماضی کو تبدیل کردو اور ایک جذبے کے ساتھ مل جل کر کام کرو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم کس گروہ سے تعلق رکھتے ہو، تم سب سے اول، دوئم اور آخر میں اس ریاست کے شہری ہو۔ جہاں سب کے حقوق، مراعات اور ذمہ داریاں برابر ہیں، اگر اس جذبے کے ساتھ کام کیا جائے تو تم بے انتہا ترقی کر سکتے ہو۔ ہم اسی جذبے اور بنیادی اصول کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں کہ ہم تمام اس ملک کے برابر کے شہری ہیں۔ خواہ تم کسی بھی مذہب، قبیلے اور قوم سے تعلق رکھتے ہو اس کا ریاست کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہی مثالی اصول اپنے مدنظر رکھنا چاہیے، تو وقت کے ساتھ تمھیں اندازہ ہوجائے گا کہ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا، مذہبی لحاظ سے نہیں کیونکہ وہ ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے لیکن سیاسی لحاظ سے بحیثیت اس ملک کے شہری کے۔"

جب ہم اس تقریر پر غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ خیالات ایسے موقع پر ظاہر کیے گئے جب پورے برِصغیر میں فرقہ وارانہ فسادات نے تمام لوگوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ لاکھوں مسلمان، اور ہندو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ رہے تھے۔ تب قائداعظم نے فرقہ ورانہ ہم آہنگی کی بات کی اور برداشت اور مل جل کر کام کرنے کی تلقین کی۔ قائداعظم نے یہ بھی فرمایا کہ مذہبی رواداری اور غیر مسلموں کے حقوق اسلام کی عین روح کے مطابق ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس کی تعلیمات ہی ہمیں جمہوریت اور برابری کا درس دیتی ہیں اور ان ہی اصولوں کے مطابق ہم کاروبارِ ریاست چلائیں گے۔

مہاجرین کی آبادکاری

تقسیم ہند کے نتیجے میں فرقہ وارانہ فسادات سے تقریباً 6.5 ملین مہاجرین پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے تھے۔ اتنے بڑے مسئلے کو خوش اسلوبی کے ساتھ حل کرنا ایک کٹھن امتحان تھا۔ چونکہ مہاجرین کے سب سے زیادہ قافلے لاہور کی طرف آرہے تھے لہٰذا قائداعظم اکتوبر 1947ء میں وہاں خود تشریف لے گئے تاکہ مہاجرین کی آبادکاری کا جائزہ لے سکیں۔ 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے

ہوئے آپ نے فرمایا؛

"اب یہ ہم پاکستانیوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لاکھوں تباہ حال مہاجرین جو اپنا سب کچھ بھارت میں چھوڑ کر پاکستان آ رہے ہیں۔ ان کی ہر ممکن امداد کریں۔ انھیں یہ مصیبتیں اس لیے سہنا پڑیں کہ وہ مسلمان ہیں۔"

آپ نے تمام شہریوں سے اپیل کی کہ وہ ان مشکل حالات میں اپنے مہاجرین بھائیوں کی ہر قسم کی مدد کریں۔ مہاجرین کے لیے قائداعظم ریلیف فنڈ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور لوگوں سے اپیل کی گئی کہ وہ فنڈ میں دل کھول کر عطیات جمع کرائیں۔ چونکہ مہاجرین کا مسئلہ کافی پیچیدہ تھا۔ اس لیے لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان اور بھارتی وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے ایک دوسرے سے ملاقات کی اور مہاجرین کے مسئلے پر گفت وشنید کی۔ جس کے مطابق یہ طے پایا کہ دونوں ممالک کی حکومتیں اپنے دائرہ اختیار میں اقلیتوں کے تحفظ کی ذمہ دار ہوں گی اور اکثریت کو اقلیت کے خلاف تشدد کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دونوں ممالک مہاجرین کی آبادکاری کے لیے ہر ممکن قدم اٹھائیں گے۔

سرکاری ملازمین کے لیے نصیحت

پاکستان کی آبادی قیامِ پاکستان کے وقت ہندوستان کے ایک چوتھائی تھی لیکن جو مسلمان سرکاری ملازمین پاکستان کے حصے میں آئے۔ وہ اس نسبت سے کئی گنا کم تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف 82 مسلمان اعلیٰ سرکاری ملازمین پاکستان کی طرف ہجرت کر کے آئے۔ جن میں سے صرف ایک سیکریٹری کے عہدے کا تھا اور کوئی آدھ درجن جائنٹ سیکریٹری کے عہدے کے برابر۔ اس کے برعکس نچلی سطح پر معاملہ الٹا تھا۔ بعض محکموں میں گنجائش سے زیادہ ملازمین تھے۔

سرکاری ملازمین نے کام شروع کیا۔ اگرچہ حالات ناموافق تھے لیکن ملازمین میں جذبہ اور خلوص موجود تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنی نوزائیدہ مملکت کو جلد از جلد پاؤں پر کھڑا کر دیں۔ لہٰذا سرکاری ملازمین نے محنت اور لگن سے کام کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان حالات میں نہ صرف اُن کا حوصلہ بڑھایا بلکہ ان کے لیے مستقبل کے راستے کا تعین بھی کیا۔ انھوں نے واضح الفاظ میں بتایا کہ سرکاری ملازمین کا رویہ حاکم کا نہیں بلکہ خادم جیسا ہونا چاہیے۔ 25، مارچ 1948ء کو سرکاری افسران سے خطاب کرتے ہوئے

قائداعظم نے فرمایا۔

"آپ (سرکاری افسران) کو قوم کے خادم کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دینے چاہییں۔ آپ کو کسی سیاسی جماعت سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہیے۔ کوئی بھی سیاسی جماعت برسرِ اقتدار آ سکتی ہے۔ مگر آپ کا رویہ عوام سے ایسا ہونا چاہیے کہ ان کو احساس ہو کہ آپ حکمران نہیں، آپ قوم کے خادم ہیں۔ آپ انصاف، ایمانداری اور ثابت قدمی سے اپنے فرائض سرانجام دیں۔ اگر آپ میری نصیحت پر عمل پیرا ہوں گے تو مجھے یقین ہے کہ عوام کی نگاہ میں آپ کا مقام اور مرتبہ بلند ہوگا۔"

اس طرح کی نصیحتوں کا سرکاری ملازمین کی کارکردگی پر مثبت اثر پڑا۔ انھوں نے خوب محنت اور تندہی سے کام کر کے اس نوزائیدہ مملکت پاکستان کو ابتدائی مشکلات سے خوش اسلوبی سے نکال لیا۔

صوبائی اور نسلی تعصب سے گریز کرنے کی تلقین

اگرچہ برصغیر ہندو پاکستان کے مسلمان مختلف نسلوں، علاقوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن پاکستان بنانے کی جدوجہد میں "دو قومی نظریے" کے پرچم کے نیچے سب متحد ہو گئے اور انھوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کی سخت مخالفت کے باوجود پاکستان حاصل کر لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ اُسی جذبے کو برقرار رکھا جائے اور نسلی اور صوبائی تعصبات سے دور رہا جائے۔ کیونکہ قائداعظم کی نظر میں ان کی وجہ سے پاکستان کے مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہ میں تقسیم ہو جائیں گے۔ لہٰذا بانیِ پاکستان نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے قوم کو متوجہ فرمایا۔ آپ نے 15 جون 1948ء کو فرمایا:-

"اب ہم پاکستانی ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی بلوچی، پٹھان، سندھی، بنگالی اور پنجابی نہیں بلکہ سب پاکستانی ہیں۔ ہماری سوچ اور ہمارا عمل پاکستانی کی حیثیت سے ہونا چاہیے اور ہمیں پاکستانی ہونے پر فخر کرنا چاہیے۔"

عوام میں جذبہ حب الوطنی اور یگانگت کے فروغ کے لیے قائداعظم نے مختلف صوبوں اور علاقوں کا دورہ کیا۔ لوگوں کو مسائل سے آگاہ کیا اور ان میں پاکستانیت کے جذبات کو فروغ دیا۔

پاکستان کی معیشت کے رہنما اصولوں کا تعین

معیشت کا استحکام اور اقتصادی ترقی بھی ملک کی بقاء کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہے۔لہٰذا قائداعظم نے اپنی تقریروں میں پاکستان کے معاشی اور اقتصادی نظام پر بھی روشنی ڈالی۔پاکستان کے مستقبل کے مجوزہ نظامِ اقتصادیات سے متعلق آپ نے سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر یکم جولائی 1948ء کو ارشاد فرمایا:-

''مغربی معاشی نظام نے انسانیت کے لیے لاتعداد ناقابلِ حل مسائل کھڑے کر دیے ہیں۔مغربی طرز کا معاشی نظام ہمارے ملک میں خوشحالی اور ترقی پیدا نہیں کر سکتا،اس لیے ہمیں اپنی بہبود کے لیے کوئی نیا طریقہ وضع کرنا ہوگا اور دنیا کو ایسا معاشی نظام پیش کرنا ہوگا جس کی بُنیادیں اسلامی مساوات اور معاشرتی انصاف پر مبنی ہوں۔ایسا کرنے سے ہم مسلمان قوم کی حیثیت سے دُنیا کو ایک ایسا معاشی نظام دینے میں کامیاب ہو جائیں گے جو تمام بنی نوع انسان کے لیے امن کا پیغام بن کر آئے گا۔یاد رہے کہ امن ہی سے انسانیت کی بقاء اور خوشحالی قائم رہ سکتی ہے۔''

قیامِ پاکستان کے وقت ملک کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ایک طرف ملک بے شمار مسائل میں اُلجھا ہوا تھا۔جس کے لیے فوری طور پر مالی وسائل کی ضرورت تھی۔دوسری طرف سرکاری خزانہ مکمل طور پر خالی تھا۔متحدہ ہندوستان کے خزانے میں جو پاکستان کا جائز حق تھا۔وہ بھی بھارت نے منفی رویہ اپنا کر پاکستان کو ادا کرنے سے گریز کیا۔تاکہ پاکستان کو اقتصادی مشکلات میں ڈال کر دوبارہ ادغام کرنے پر مجبور کر دے۔مغربی مبصرین کی بھی یہ رائے تھی کہ پاکستان کی بقاء اقتصادی لحاظ سے ناممکن ہے۔تاہم پاکستانی عوام نے ہمت نہیں ہاری اور قائداعظم کی دانشمندانہ قیادت میں پاکستان کو ابتدائی اقتصادی مشکلات سے نکال باہر کیا اور ہندوؤں اور مغربی مبصرین کے تمام دعوؤں کو غلط ثابت کر دیا۔

خارجہ پالیسی کے رہنما اصول

پاکستان کی خارجہ پالیسی پر اظہار خیال کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فروری 1948ء میں فرمایا:-

''ہماری خارجہ پالیسی کا مقصد دُنیا کے تمام ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنا ہے۔ہم

کسی بھی ملک کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ہم ملکی اور بین الاقوامی تعلقات دیانتداری اور انصاف کے اصولوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ دُنیا میں امن اور بھائی چارے کے فروغ میں مدد دیں۔پاکستان کبھی بھی ظلم و ستم کے ستائے ہوئے لوگوں کو مالی اور اخلاقی مدد دینے سے گریز نہیں کرے گا اور ہمیشہ اقوام متحدہ کے دستور کی پاسداری کرے گا۔''

قائداعظم کے درج بالا بیان سے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے خدوخال کی نشان دہی ہوتی ہے۔ابتدائی دنوں میں یہی اصول پاکستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد بنے۔انھی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے پاکستان اس وقت کے پیچیدہ بین الاقوامی حالات سے کامیابی کے ساتھ باہر نکلا اور اپنی مؤثر خارجہ پالیسی کی بدولت ابتدائی دنوں کے معاشی مسائل پر قابو پانے میں بھی کامیاب ہوا۔

طلبہ کو حصولِ تعلیم کی تلقین

پاکستان کے حصول میں طلبہ نے ایک بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔برصغیر ہندو پاکستان کے نوجوان طلبہ قائداعظم اور ان کے رفقاء کار کے ہراول دستے کے طور پر ہمیشہ سرگرمِ عمل رہے۔قائداعظم محمد علی جناح کو طلبہ کے اہم کردار کا نہ صرف ادراک تھا بلکہ انھوں نے ہمیشہ ان کی کاوشوں کی تعریف کی ہے۔ان کو مستقبل میں نوجوانوں سے بہت امیدیں وابستہ تھیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نوجوان ہی ملک کا مستقبل ہیں۔تاہم قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم نوجوان طلبہ سے مثبت سرگرمیوں کی امید رکھتے تھے۔انھی امیدوں کے پیشِ نظر پشاور میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے نوجوانوں کو تلقین کی کہ وہ اپنی تمام تر توجہ حصولِ علم پر مرکوز رکھیں۔قیامِ پاکستان کے سلسلے میں طلبہ نے جو اہم کردار ادا کیا،قائداعظم نے اس کی تعریف کی مگر فرمایا کہ طلبہ کو اب احتجاجی سیاست سے کلیتاً گریز کرنا ہوگا۔اسی میں پاکستان کی بقا اور خوشحالی ہے۔

مسائل کے حل کے ذرائع

1۔ رہنمائی کی خصوصیات:-

کسی بھی ملک و قوم اور ملت کے مسائل کے حل کرنے میں رہنما کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ایک

رہنما اسی وقت اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کر سکتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے کام اور ملک وملت سے مخلص ہو اور اپنے فرائضِ منصبی انصاف کے اصولوں کے تحت ادا کرے۔ چونکہ رہنما پورے ملک وقوم کا سربراہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو اپنے ذاتی، خاندانی اور گروہی مفادات کو پسِ پشت ڈالنا پڑتا ہے اور ہمیشہ ملکی وقومی مفادات کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔ ان زرین اصولوں کو اپنا کر ہی کوئی بھی رہنما اپنے ملک وقوم کی تقدیر بدل سکتا ہے اور تاریخ میں اپنا نام سُنہری حروف کے ساتھ لکھوا سکتا ہے۔

2۔ گفت وشنید ومراعات:۔

دنیا کے کسی بھی مسئلے کا حل گفت وشنید کے ساتھ ممکن ہے۔ بلکہ ہر مسئلے کا حل گفت وشنید میں ہی پنہاں ہے۔ رہنمائی کی بہت سی خوبیوں میں سے یہ بھی ایک اہم خوبی ہے کہ رہنما نہ صرف گفت وشنید کے لیے تیار ہو بلکہ اس میں کھلے ذہن کے ساتھ بات چیت میں شامل ہونے کا جذبہ بھی موجود ہو۔ وہ نہ صرف دوسروں کو قائل کرنے کا ماہر ہو بلکہ اس میں یہ خوبی بھی موجود ہو کہ اگر مخالف کی بات وزن دار اور قابل قبول ہو تو وہ ایسی بات کو ماننے کا جذبہ اور ہمت رکھتا ہو۔ بے لوچ اور سخت گیر رہنما کبھی کبھار اپنے قوم وملک کی تباہی کا ذمہ دار ثابت ہوتا ہے۔

3۔ ایمان، اتحاد اور تنظیم:۔

کسی بھی قوم کی ترقی عوام کے جذبہ ایمان، اتحاد اور تنظیم، کے اصولوں پر منحصر ہے۔ اگر عوام جذبۂ ایمانی سے سرشار ہوں تو اُن کے لیے مشکل سے مشکل کام بھی آسان ترین بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک کے استحکام، ترقی اور خوشحالی کے لیے عوام میں اتحاد بہت لازم ہے۔ کیونکہ اگر عوام میں اتحاد ہے تو ملک روبہ ترقی ہوگا ورنہ زوال اُس کا مقدر بن جاتا ہے۔

اسی طرح تنظیم کے بغیر بھی کوئی کام ڈھنگ سے سرانجام پانا مشکل ہے۔ کسی ملک کی ترقی میں ان تین زریں اصولوں کا اہم کردار ہے اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو ان کا بخوبی احساس تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے بار بار اپنے عوام پر زور دیا کہ ایمان، اتحاد اور تنظیم کا مظاہرہ کریں۔

سوالات

1. خالی جگہوں کو موزوں الفاظ سے پُر کریں۔

i. ہندوستان کے آخری وائسرائے ________ تھے۔

ii. بھارت کے پہلے وزیراعظم ________ تھے۔

iii. پنجاب حد بندی کمیشن میں پاکستان کی نمائندگی جسٹس دین محمد اور ________ نے کی۔

iv. ہندوستان کے مشترکہ نقد اثاثوں میں پاکستان کا حصہ ________ ملین روپے قرار پایا۔

v. ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ ________ منصوبے کے تحت ہوا۔

vi. سندھ طاس کے معاہدے پر ________ کو دستخط ہوا۔

vii. پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی صدارت ________ نے کی۔

2. بریکٹ میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کریں۔

i. پاکستان کے پہلے گورنر جنرل ______ تھے۔
(لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، قائداعظم، غلام محمد)

ii. پاکستان کے پہلے وزیراعظم ______ تھے۔
(سردار عبدالرب نشتر، لیاقت علی خان، عبدالقیوم خان، مولوی فضل الحق)

iii. تحصیل بٹالہ (ضلع گورداسپور) کی آبادی ______ فی صد مسلمانوں پر مشتمل تھی۔
(77،70، 65، 50)

iv. فیلڈ مارشل آچینلک (Auchinleck) کو ______ کی شکایت پر اپنے عہدے سے ہٹایا گیا۔
(گاندھی، قائداعظم، پنڈت نہرو، لارڈ ماؤنٹ بیٹن)

v. پاکستان اور بھارت کے نہری پانی کے تنازعہ سے پاکستان کے صوبہ ______ کا علاقہ سب سے زیادہ متاثر ہوا۔
(سرحد، پنجاب، سندھ، آزاد کشمیر)